تحریک پاکستان میں ہزارہ کا کردار

پروفیسر ریاض حسین*

عطاء اللہ شاہ**

Abstract

Hazara, one of the five districts of the then NWFP (now Khyber Pakhtunkhwa), played a key role in Pakistan Movement and served as the bastion of the League power in the Congress dominated province. Hazara remained in the fore front during the freedom struggle and wholeheartedly supported every move that meant to safeguard the rights of the Indian Muslims and finally to liberate them from foreign rule. All India Muslim League took considerably long time to get its roots in the Muslim majority areas of India, particularly in Khyber Pakhtunkhwa. At this critical juncture Hazara Muslim League served as a base and launching pad of freedom struggle in this province. The people of this region not only provided wholehearted support to All India Muslim League but also offered sacrifices for the cause of freedom. Hence, this paper highlights the role of Hazara region of Khyber Pakhtunkhwa in the freedom struggle for Pakistan with an impartial and unbiased approach.

---

* شعبہ مطالعہ پاکستان، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، مانسہرہ۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، مانسہرہ۔

آرنلڈ ٹائن بی نے ''مطالعہ تاریخ'' میں لکھا ہے کہ آزادی کی تحریکیں قوموں کی تاریخ کے نازک اور صبر آزما ایام ہوتے ہیں جو محکوم لوگوں کی جانب سے سامراجی اور نوآبادیاتی تسلط کے خلاف بھرپور مزاحمت سے عبارت ہوتے ہیں۔ آزادی کی جدوجہد کے دوران درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کا اندازہ اس معاشرے کے رہنماؤں کی اولوالعزمی سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کسی گروہ کو محکوم بنا کر بالاجبر اس کے میدان ہائے عمل سے بے دخل کر دیا جائے تو وہ گویا امتیازی سلوک کے اس چیلنج کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی توانائیوں کو دیگر میدان ہائے عمل اور استثنائی سرگرمیوں میں بروئے کار لانا شروع کر دیتا ہے۔[۱]

ہندوستان کی آزادی کی تحریک ان چیلنجوں کے خلاف مزاحمت کا نام ہے جو سامراجی تسلط کے نتیجے میں پیدا ہوئی جو حق خود ارادیت کے خیال کو عملی جامہ پہنانے پر منتج ہوئی اور ہندوستان کے مسلمانوں کا معاملہ ہندوستان کے دیگر نسلی اور مذہبی گروہوں سے مختلف تھا۔ وہ ''نہ جائے رفتن و نہ پائے ماندہ'' والی صورتِ حال سے دو چار تھے۔ ایک طرف برطانوی استعمار کا تسلط تھا تو دوسری طرف اکثریتی ہندو گروہ کا امتیازی رویہ تھا چنانچہ ان کے پاس ان دونوں قوتوں سے لڑنے کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا اور بالآخر اُسے نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

فوجی اعتبار سے اہم اور سلطنت برطانوی ہند کی پہلی دفاعی لائن ہونے کی وجہ سے شمال مغربی سرحدی صوبہ برطانوی راج کے لیے اہم صوبوں میں سے ایک تھا۔ تاج برطانیہ کے لیے اس کی اہم حیثیت نے اس کی سیاسی ترقی کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صوبے میں سیاسی سرگرمیوں کو فطری انداز میں آگے بڑھنے نہیں دیا گیا اور اصلاحات میں بھی تاخیری حربے استعمال کیے جاتے رہے۔[۲] تمام تر پابندیوں، اظہار رائے پر لگائی جانے والی قدغنوں، سنسرشپ اور رکاوٹوں کے باوجود شمال مغربی سرحدی صوبے کے باشندوں نے ہمیشہ اپنی سیاسی بصیرت اور شعور کا مظاہرہ کیا اور ہندوستان کی سطح پر شروع

ہونے والی تقریباً تمام سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریکوں میں اپنا بھرپور حصہ شامل کیا ہے۔ اس صوبے کے عوام آزادی کی تحریک میں بھی نمایاں رہے اور انہوں نے تاریخی ریفرنڈم کے ذریعے برطانیہ کو اپنا صوبہ پاکستان کے ساتھ شامل کرنے پر مجبور کر دیا۔

ضلع ہزارہ اس وقت کے شمال مغربی سرحدی صوبے کے پانچ اضلاع میں سے ایک تھا۔ ہزارہ نے تحریک پاکستان میں کلیدی کردار ادا کیا اور کانگرس کے اثر و رسوخ والے صوبے میں یہ ضلع مسلم لیگ کا گڑھ اور اس کی سیاسی قوت کا مظہر رہا۔ ہزارہ تحریک آزادی کے دوران ہمیشہ اگلے محاذ پر رہا اور اس کے عوام نے ہر اس تحریک کی تہہ دل سے حمایت کی اور اسے کامیاب بنانے کے لیے کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جس کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ اور بالآخر انہیں سامراجی اور استعماری قوتوں کے تسلط سے آزادی دلانا تھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلم اکثریتی علاقوں میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے میں بہت زیادہ وقت لگا۔ بالخصوص شمال مغربی سرحدی صوبے میں لیگ کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اس صوبے میں سرخ پوش تحریک کی صورت میں ایک ایسی قوت موجود تھی جو کانگرس کی اتحادی تھی۔ پاکستان کی اسکیم کو ناکامی سے دو چار کرنا کانگرس اور سرخ پوشوں کا خش تھا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ یا تو اس اسکیم کو سرے سے نیست و نابود کر دیا جائے یا پھر جس قدر ممکن ہو اسے نقصان پہنچا کر کمزور کر دیا جائے۔ صوبہ سرحد ایک مسلم اکثریتی صوبہ ہونے کے باوجود سرخ پوشوں کی بدولت کانگرس کا مضبوط گڑھ تھا چنانچہ اسے با آسانی مسلم لیگ کے اُس دعوے کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے مسلم لیگ کی قیادت اس صوبے کو خصوصی اہمیت دیتی تھی اور اس صوبے کے حوالے سے اُسے شدید تشویش تھی۔ دوسری طرف آل انڈیا نیشنل کانگرس کو اپنی جگہ اطمینان حاصل تھا کہ وہ اس صوبے میں موجود اپنے اتحادیوں کی مدد سے بآسانی پاکستان سکیم کو سبو تاژ کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ لیکن ہوا اس کے برعکس اور اس صوبے میں مسلم لیگ تحریک آزادی کے سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ہزارے والوں نے

نہ صرف دل کھول کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کی بلکہ آزادی کی خاطر بے مثال قربانیاں بھی دیں۔ اس مقالے میں ہزارہ کے عوام اور سیاستدانوں کی ان سرگرمیوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے جو انہوں نے برطانوی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریک کے دوران آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے انجام دیں۔

علاقے اور باشندگانِ علاقہ کا تعارف

ہزارہ سلسلہ ہائے عالیہ کے دامن میں44-°33 اور10-°35 عرض بلد اور 33-°72 اور 6-°74 طول بلد کے درمیان واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱۳۶۸۰ مربع کلو میٹر ہے۔[۳] اس کی آبادی۱۹۹۸ء میں ۳.۳۵۱ ملین جبکہ ایک انداز کے مطابق۲۰۱۲ء میں ۶ ملین کے لگ بھگ تھی۔[۴] ہزارہ چھ اضلاع کوہستان، بٹگرام، مانسہرہ، ایبٹ آباد، ہری پور اور تورغر پر مشتمل ہے۔ اس کی سطح سمندر سے زیادہ سے زیادہ بلندی۱۷۰۰ فٹ ہے۔ یہ علاقہ پہاڑوں، میدانوں اور ہرے بھرے جنگلات پر مشتمل ہے۔ پہاڑی سلسلے شمال مشرق سے جنوب مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کے درمیان چھوٹے اور بڑے میدان واقع ہیں۔ ان میدانوں میں ہری پور، اورش، پکھلی، گرور اور چھتر پلین شامل ہیں۔ ان میں سب سے بڑا میدانی علاقہ ہری پور یا وادیٔ دوڑ کا ہے جس کی سطح سمندر سے زیادہ سے زیادہ بلندی۳۰۰۰ فٹ اور کم از کم ۱۶۰۰ فٹ ہے۔ دوسرا قابل ذکر میدانی علاقہ میدان اورش ہے۔ یہ سطح سمندر سے۴۰۰۰ فٹ بلند ہے اور اس میں ایبٹ آباد اور مانگل کے علاقے شامل ہیں۔[۵]

میدان پکھل شمالاً جنوباً تقریباً ۱۱ میل اور شرقاً غرباً تقریباً ۱۰ میل تک پھیلا ہوا ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۳۰۰۰ فٹ ہے۔ مانسہرہ شہر میدانِ پکھل کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ وادیٔ اگرور، تحصیل اوگی کا ایک میدانی علاقہ ہے جو پہاڑوں کے درمیان ایک پیالے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ چھتر پلین، مانسہرہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اور اس کی بلندی تقریباً ۵۵۰۰ فٹ ہے۔ ان میدانی علاقوں کی زرعی اراضی کو سیراب کرنے والے دریاؤں میں دریائے دوڑ، دریائے سرن، دریائے کنہار اور دریائے ہرو شامل ہیں جبکہ کچھ

دیگر چھوٹے ندی، نالے اور نہریں بھی آب پاشی کے کام لائی جاتی ہیں۔٦

ہزارہ کا صدر مقام ایبٹ آباد ہے۔ شرح خواندگی سارے ڈویژن میں بالعموم اور ایبٹ آباد میں بالخصوص حوصلہ مند تھے، ایبٹ آباد کو اسکولوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے، بالخصوص نہایت عمدہ ہے۔

ہزارے کے اہم قبائل نسلی اعتبار سے پختون ہیں جن میں ترین، جدون، سواتی، لودھی اور تنولی شامل ہیں۔ ان تمام قبیلوں کا دعوی ہے کہ وہ اصلاً پختون ہیں اور اس علاقے میں فاتحین کی حیثیت سے آئے تھے۔ دیگر سربرآوردہ گروہوں میں سید، قریشی اور عباسی شامل ہیں جو اپنا سلسلۂ نسب عربوں اور بالخصوص نبی کریمﷺ کے خاندان سے ملاتے ہیں۔ تیسرا اہم قبیلہ ترکوں کا ہے۔ ترک یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ امیر تیمور کے ساتھ آئے تھے اور یہ کہ اس علاقے کو ہزارہ کا نام بھی انہوں نے ہی دیا ہے۔ ان تمام نسلی گروہوں کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دوسرے خطوں سے ہجرت کر کے ہزارہ میں آ کر بسے ہیں۔ علاقے کے مقامی لوگ جنہیں اس علاقے کے قدیم اور اصل باشندے سمجھا جاتا ہے وہ گوجر، ڈھونڈ اور اعوان ہیں مگر اس امر پر اتفاق رائے نہیں کہ آیا یہ قبائل ہزارہ کے اصل باشندے ہیں کیونکہ اب اعوان اور ڈھونڈ بھی اپنے آپ کو عربی النسل کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر قبائل بھی ہزارہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں راجپوت، مغل، کوہستانی، گکھڑ، کرڑال، خشوانی، اور دلہ زاک قابل ذکر ہیں۔٧

علاقے کی رابطے کی زبان ہندکو ہے جو ہزارہ کے تقریباً تمام حصوں میں لہجے اور بولی کے معمولی فرق کے ساتھ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ دیگر زبانوں میں پشتو، گوجری اور کوہستانی ہیں۔٨ ہزارہ کی منتخب قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کو ملا کر ١٨ حلقوں پر مشتمل ہے۔

مغلیہ سلطنت کے سقوط کے بعد ہزارہ رنجیت سنگھ کی خالصہ ریاست کا حصہ رہا۔ سقوطِ پنجاب کے بعد انگریزوں نے اسے ہندوستان کی سلطنت برطانیہ سے منسلک کر دیا۔ ١٩٠١ء میں یہ علاقہ پنجاب سے علیحدہ ہو گیا اور اسے نئے قائم کیے جانے والے شمال مغربی سرحدی

صوبے کا حصہ بنا کر ضلع کا درجہ دیا گیا۔ اس کا یہ درجہ صبح آزادی کے طلوع ہونے تک برقرار رہا۔

تقسیم ہند سے قبل ہزارہ اُس وقت کے شمال مغربی سرحدی صوبے کے پانچ اضلاع میں سے ایک تھا اور اس کا ضلعی صدر مقام ایبٹ آباد تھا۔ ضلع ہزارہ تین تحصیلوں مانسہرہ، ایبٹ آباد اور ہری پور پر مشتمل تھا۔ ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت جب صوبہ سرحد کو گورنر کے زیر انتظام صوبے کا درجہ حاصل ہو گیا تو ہزارہ کو شمال مغربی سرحدی صوبے کی صوبائی اسمبلی میں نو دیہی مسلم حلقے اور ایک دیہی شہری حلقہ دیا گیا۔ دیہی حلقوں میں پکھلی بالا، پکھلی پاش، مانسہرہ شمالی، ہری پور شمالی، ہری پور وسطی، ہری پور جنوبی، ایبٹ آباد شرقی، ایبٹ آباد غربی اور تناول جبکہ شہری حلقے میں ایبٹ آباد شہر کا حلقہ شامل تھا۔

برطانوی راج کے خلاف مزاحمت میں ہزارہ کا کردار

ہزارہ زمانہ قدیم سے استعماری طاقتوں کے خلاف مزاحمت کی طویل تاریخ رکھتا ہے۔ ہندوستان کے دیگر شمال مغربی حصوں کی طرح ہزارہ کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ بیرونی حملہ آور ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے اسے گزرگاہ کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ استعمار کے خلاف ہزارہ کی مزاحمت کا نکتۂ آغاز وہ جنگ ہے جس میں اس علاقے کے حکمران Arsakas نے سکندر اعظم اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔[۱۱] اور اس کا نکتۂ اختتام برطانوی استعمار کے خلاف ہزارہ کے لوگوں کی مزاحمت ہے۔

جب برطانوی استعمار نے سارے ہندوستان پر اپنا تسلط جما لیا تو ہندوستان کے عوام نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنی روایات، ماحول، مہارت اور وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے مزاحمت کا آغاز کر دیا۔ غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف اس مزاحمت میں ہزارہ کے لوگوں نے بھی حصہ لیا یہ مزاحمت مختلف طریقوں سے اور مختلف سطحوں پر جاری رہی۔

بندوبستی علاقوں اور قبائلی علاقوں میں اس مزاحمت کے لیے علیحدہ علیحدہ انداز اپنایا گیا۔ ہندوبستی اضلاع میں مزاحمت کاروں نے اپنی جدوجہد کو آئینی اور قانونی انداز میں

آگے بڑھایا۔ انہوں نے سیاسی پارٹیاں اور پریشر گروپ قائم کر کے آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا مؤقف پیش کیا۔ دوسری طرف قبائلی علاقوں کے عوام نے برطانوی استعمار سے نجات کے حصول کے لیے گوریلا انداز میں لڑنے کو ترجیح دی۔ مزاحمت کی یہ حکمت عملی بالخصوص اس زمانے میں نہایت کارگر ثابت ہوئی جب تحریک مجاہدین، تحریک خلافت، ریشمی رومال تحریک اور عدم تعاون تحریک جیسی سیاسی و مذہبی تحریکیں عوام الناس کو متاثر کر رہی تھیں۔

ہزارہ کے عوام مزاحمت کاروں کے ان دونوں گروہوں (آئینی و قانونی جدوجہد کرنے والوں اور انقلابیوں) سے متاثر ہوئے لیکن بحیثیت مجموعی ہزارہ کے لوگوں کی جدوجہد آئینی، قانونی اور پُر امن رہی۔

برطانوی راج کے خلاف مزاحمت کرنے والے انقلابیوں نے اس انقلابی جذبے کو سرد نہیں ہونے دیا جو تحریک مجاہدین نے سکھا شاہی کے خلاف مزاحمت کے دوران پیدا کیا تھا۔ ہزارہ میں جن اہم شخصیات نے برطانوی راج کے خلاف ان مزاحمتی سرگرمیوں کی سرپرستی کی ان میں مولانا اسحاق مانسہروی، مولانا محمد عرفان اور بفہ ہزارہ سے تعلق رکھنے والے مولانا فضل ربی نمایاں ہیں۔ مولانا اسحاق اس عبوری حکومت کی شوریٰ کے رکن بھی تھے جو حریت پسندوں نے مولانا محمودالحسن اور راجا مہندر پرتاب کی قیادت میں قائم کی تھی۔ اس عبوری حکومت کی بنیاد قبائلی علاقوں اور افغانستان میں تھی۔ انہوں نے ہزارہ میں تورغر کے علاقے کو اپنا بیس اور جنگی مورچہ بنانے کی کوشش کی۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ ترکی کی افواج کی مدد سے برطانوی فوج کو اوگی سے حسن ابدال تک گھیرے میں لے کر شکست دی جائے اور اُسے علاقے سے نکال باہر کر دیا جائے۔[۱۲]

لیکن ۱۹۱۹ء میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کی وجہ سے حریت پسندوں کے یہ تمام مقامی اور ملکی سطح کے منصوبے ناکامی سے دو چار ہو گئے اور مزاحمتی کارروائیاں سرد پڑ گئیں۔ تحریک خلافت نے ہندوستان کی سیاست پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک نے ہزارہ کے لوگوں کو بھی سیاسی طور پر متحرک کیا۔ چنانچہ فروری ۱۹۲۰ء میں مانسہرہ میں خلافت

کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس کی ذیلی کمیٹیاں بھی ہری پور، مراٹ صالح، ایبٹ آباد، سفیدہ، خاکی، ڈھوڈیال، شنکیاری اور بفہ میں قائم کر دی گئیں۔ ہزارہ میں اس تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں مولانا اسحاق مانسہروی، مولانا عرفان، علی گوہر خان، خان بہادر غلام ربانی، سکندر خان، مولوی غلام ربانی، غلامرسو خان، قاضی محمد اعظم ایبٹ آباد، حلیم الدین ہری پور، ملک امیر عالم، اور بابا پرنیال سنگھ المعروف باوا سکھراج شامل ہیں۔ مولانا عرفان اور گڑھی حبیب اللہ کے عبدالعزیز عثمانی بھی جمعیت علمائے ہند کے اہم ارکان تھے۔ یہ دونوں علماء ۴۸۲ علماء پر مشتمل اس کونسل کے رکن تھے جس نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا کہ کسی بھی حوالے سے انگریزوں کے لیے خدمات انجام دینا خلافِ اسلام ہے اور یہ کہ جو لوگ سِول اورفوجی محکموں میں ملازمت کر رہے ہیں انہیں اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر مستعفی ہو جانا چاہیے۔ انہوں نے عام جلسوں کا انعقاد کیا اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں ان کا ساتھ دینے کی ترغیب دی۔ انہوں نے لوگوں پر یہ حقیقت واضح کی کہ انگریز مقاماتِ مقدسہ کو تباہ کر کے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں۔[۱۳] جامع مسجد مانسہرہ ان کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

احتجاج اور تشدد کے خطرے کے پیش نظر ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء کو مولانا اسحاق اور مولانا عرفان کو مانسہرہ سے گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بعد بڑی تعداد میں کارکنوں اور رہنماؤں کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ کشیدگی، امن و امان کی سنگین صورت حال کے پیش نظر برطانوی حکام پوری طرح چوکس ہوئی۔ عوامی سطح پر تحریک خلافت کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہزارہ کے تقریباً ہر ایک اہم قصبے یا شہر میں خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اجتماعات میں لوگوں کی کثیر تعداد شریک ہوتی تھی۔

ہزارہ میں تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت کو بھی مثبت ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ عدم تعاون کی تحریک کے دوران ۱۵۰ نمبرداروں، ۱۵ پٹواریوں، ۲۴ اساتذہ اور ۵۴ پولیس والوں نے اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دیا۔ جوش اور جذبے کا یہ عالم تھا کہ ہزارہ سے تعلق رکھنے ولے تین افراد فرید احمد، شہزادہ خان اور نور احمد نے، جو افغانستان میں سرہنری ڈبس

کے ساتھ کام کرتے تھے، خلافت کے مقصد سے یکجہتی کے اظہار کی خاطر استعفیٰ دے دیا۔ ہجرت کی تحریک کے دوران بہت سے چھوٹے اور بڑے قافلے افغانستان کے لیے روانہ ہوئے، ان میں سے سب سے بڑا قافلہ ۶۰۰ افراد پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔[۱۴]

تحریک خلافت اور اس کے بعد چلنے والی تحریکوں میں ہزارہ کے لوگوں نے جو کردار ادا کیا اس سے یہ اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ آزادی کے عظیم مقصد کے لیے قربانی کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں زندہ تھا اور وہ دوبارہ میدان میں کودنے کے لیے سازگار ماحول کی تلاش میں تھے جس کا موقع انہیں آل انڈیا مسلم لیگ نے فراہم کر دیا۔ لوگوں نے لیگ کی بھرپور حمایت کی اور حق خود ارادیت کے حصول اور ایک آزادانہ اور خود مختار مملکت کے قیام کے لیے اُس کی جدوجہد میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

پاکستان کے لیے ہزارہ کی جدوجہد

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام ۱۹۰۶ء میں عمل میں آیا۔ جس کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ مسلم لیگ برصغیر کے مسلمانوں کی کانگرس سے مایوسی کے نتیجے میں قائم ہوئی کیونکہ آل انڈیا نیشنل کانگرس اپنے دعوں کے باوجود ہندوستان کے تمام گروہوں سے یکساں سلوک کے مقابلے میں ناکام رہ گئی تھی۔ کانگرس کا دعویٰ تھا کہ وہ درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہندی قومیت کی احیاء کرے گی مگر وہ اپنے اس دعوے کو پورا کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی تھی۔ لیگ نے اپنے قیام کے بعد سارے ہندوستان بالخصوص مسلم اکثریتی علاقوں میں اپنی شاخیں پھیلانے کی کوشش کی کیونکہ اس نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور ترقی کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اُسے ہندو اکثریتی علاقوں میں تو اپنے قیام کے فوراً بعد نمایاں کامیابی حاصل ہو گئی لیکن مسلم اکثریتی علاقوں، بالخصوص ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں اسے عوامی پذیرائی کے حصول میں بہت وقت لگا۔

اگرچہ صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) میں لیگ کی صوبائی شاخ ۱۹۱۲ء میں قائم کی

جا چکی تھی اور میاں عبدالعزیز، قاضی عبدالولی خان، سید علی بخاری اور قاضی منیر احمد اس کے بالترتیب صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری اور جوائنٹ سیکرٹری مقرر کر دیئے گئے تھے لیکن اس کے باوجود ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے اعلان تک اس صوبے میں مسلم لیگ زیادہ فعال نہیں ہوسکی۔۱۵ انتخابات کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے صوبے کا دورہ کیا اور سیاستدانوں کو مسلم لیگ میں شمولیت اور اس کے پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لینے کی ترغیب دی لیکن قائد کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں کیونکہ صوبے میں سرخ پوشوں اور ان کے اتحادی آل انڈیا نیشنل کانگرس کو خاطر خواہ اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اس ناکامی کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کی قیادت نے صوبے میں لیگ کی تنظیم نو پر زیادہ بھرپور انداز میں توجہ دینے کا آغاز کیا۔ مسلم لیگ کی تنظیم نو کے اس عمل میں ہزارہ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ ہزارہ سے جا بجا طور پر اس کی توقع کی جا سکتی تھی کیونکہ یہ صوبے کا واحد ضلع تھا جہاں سرخ پوشوں کی زبان کی بنیاد پر پختون قوم پرستی کے اثرات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اگرچہ مانسہرہ کے کچھ علاقوں میں سرخ پوشوں کی حمایت پائی جاتی تھی لیکن عمومی طور پر انہیں ہزارہ کے عوام کو اپنی جانب راغب کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس خلا کو مسلم لیگ نے آسانی سے پُر کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں پورے ضلع ہزارہ میں خدائی خدمتگار تحریک کے خلاف ۱۲۴۳ اراکین تھے اور اس کی تنظیم زیادہ مضبوط نہ تھی۔۱۶

اصلاحات متعارف کرائے جانے کے ساتھ ہی صوبہ سرحد میں سیاسی سرگرمیوں کا آغاز بھرپور انداز میں شروع ہو گیا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ ہندوستان میں رہائش پذیر تمام گروہوں کے مستقبل کے یقین کے حوالے سے فیصلہ کن تھا۔ اس نازک دور اور فیصلہ کن وقت میں ہزارہ کے عوام نے سیاسی شعور اور بالغ نظری کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے پاکستان کی صورت میں اپنی منزل کے حصول کے لیے نہایت منظّم انداز میں سرگرمیاں جاری رکھیں اور ہر فیصلہ کن تحریک کے موقع پر وہ نمایاں محاذ پر رہے۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مایوس کن شکست کے بعد مسلم لیگ کے سامنے سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ سارے ہندوستان بالخصوص مسلم اکثریتی علاقوں میں جماعت کو زیادہ

منظّم اور فعال بنایا جائے۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں منعقد ہونے والا آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس مسلم لیگ کی تاریخ کا اہم سنگ میل ثابت ہوا۔ اس اجلاس کے بعد مسلم اکثریتی علاقوں سمیت سارے ہندوستان کے مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہوتے رہے۔ بنگال، پنجاب اور آسام سے اسے بھرپور حمایت حاصل ہوئی اور پارٹی کی جڑیں عوام میں مضبوط ہوگئیں۔۱۷

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، ہزارہ نے مسلم لیگ تنظیم نو میں ہر اول دستے کا کردار ادا کیا اور صوبے کے دیگر اضلاع کو بھی یہ راستہ دکھایا۔ ہزارہ میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کے کام کا آغاز لکھنؤ اجلاس سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ ہزارہ مسلم لیگ کی صوبائی شاخ کے قیام میں جٹ گئے اور ۱۹۳۷ء کے ستمبر کے اوائل میں سرحد کی صوبائی مسلم لیگ کا قیام ایبٹ آباد میں عمل میں لایا گیا۔۱۸ مولانا شاکر اللہ آف نوشہرہ کی صدارت میں دس سے بارہ افراد کا اجلاس ایبٹ آباد میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں شریک نمایاں شخصیات میں مولانا شعیب، مولانا اسحاق مانسہروی، سجاد احمد خان، خان فقیر آف دھمتوڑ، میاں بہادرشاہ، مولانا عبدالرؤف ہزاروی اور قاضی حکیم جلوزئی شامل تھے۔ یہ ایک تاریخی اجلاس ثابت ہوا جس کی ہندوستان کے مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر تائید اور حمایت کی۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار روزنامہ *زمیندار* میں اسے درست سمت میں ایک قدم قرار دیا۔۱۹ لیگ کی صوبائی شاخ کے قیام کے بعد صوبے کے مختلف شہروں اور علاقوں میں اس کی تنظیم نو کا آغاز ہو گیا۔ پشاور مسلم لیگ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں قائم ہوئی اور بعد ازاں کوہاٹ، بنوں، ہری پور، مانسہرہ، اور دیگر علاقوں میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔

ہزارہ میں مسلم لیگ کے قیام نے عوام میں ایک نیا جوش اورجذبہ پیدا کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ خدائی خدمت گاروں کی قوم پرستی اور کانگرس کے ہندوانہ کردار سے اُکتا گئے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک علیحدہ قوم ہونے کا احساس علاقے میں پذیرائی حاصل کر رہا تھا۔ ہری پور، ایبٹ آباد اور مانسہرہ میں لیگ کی مقامی تنظیموں نے فوری طور پر مسلم لیگ کا پیغام عوام الناس پہنچانے کی تحریک کا آغاز کیا۔ مرکزی مسلم لیگ نے بھی

ہزارہ مسلم لیگ کی ان کوششوں پر مثبت ردعمل کا اظہار کیا چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اہم رہنما تواتر سے ہزارہ کے دورے کرتے رہے اور کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا شوکت علی نے ہزارہ کا دورہ کیا اور ہزارہ کی تینوں تحصیلوں میں مسلم لیگ کی تنظیم سازی کو مکمل کیا۔[۲۰]

کانگرسی وزارت میں صوبے کی جن نمایاں سیاسی شخصیات کو ان کی پسند کی وزارتیں نہ ملیں تو انہوں نے بھی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی چنانچہ پشاور کے خان بہادر سعداللہ خان، بنوں کے خان بہادر غلام حیدر اور نصراللہ خان اپنے ساتھیوں سمیت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور انہیں اپنے اپنے علاقوں کی مسلم لیگ کی صدارت کے عہدے عطا کر دیئے گئے۔[۲۱]

انتخابی سیاست میں بھی ہزارہ نے ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ کو نمایاں کامیابیاں عطا کیں۔ مسلم لیگ کے نامزد پہلے امیدوار نے سرحد اسمبلی کی نشست ہزارہ سے جیتی۔ چونکہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں صوبے میں مسلم لیگ کا کوئی امیدوار نہ تھا چنانچہ مسلم لیگ نے ضمنی انتخابات سے آغاز کیا۔ لیگ نے ضمنی انتخابات میں پانچ حلقوں کا انتخاب لڑا جن میں سے دو حلقے مردان کے اور تین ہزارہ کے تھے۔ ان انتخابات میں مردان مسلم لیگ کے دونوں امیدوار میاں ضیاء الدین اور کامدار خان کو شکست ہو گئی مگر ہزارہ کے تینوں حلقوں میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو فتح حاصل ہوئی۔ ہزارہ کے ان حلقوں میں سے ہری پور شمال کے حلقے میں لیگ کے لیے پہلی نشست جیتی جبکہ ہری پور وسطی سے مسلم لیگ کے سردار بہادر خان اور ہری پور جنوبی سے راجا منوچہر نے اپنی اپنی نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔[۲۲] اس ضمنی انتخابات میں واضح اکثریت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہزارہ کے عوام نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا ہے۔

ہزارہ میں مسلم لیگ کو مزید تقویت دینے اور اس کا پیغام عوام تک پہنچانے کی غرض سے ۱۹۳۸ء میں ۱۰ سے ۱۲ اکتوبر تک ایبٹ آباد میں ایک سیاسی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ لیگ کے مقامی رہنماؤں کے علاوہ مسلم لیگ کے مرکزی رہنماؤں نے بھی اس

کانفرنس میں شرکت کی جن میں چوہدری خلیق الزمان، مولانا ظفر علی خان، راجہ مہدی حسین آف پیرپور، عبدالمجید سندھی اور مولانا حامد بدایوانی شامل تھے۔ علاوہ ازیں سرحد لیگ کی چوٹی کی قیادت بھی اس کانفرنس میں شریک تھی۔ اس کانفرنس میں محمد علی جناح اور مولانا حسرت موہانی کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر وہ شرکت نہ کر سکے۔ ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایبٹ آباد پہنچنے پر لگ بھگ آٹھ سو افراد نے مندوبین کا پرجوش استقبال کیا۔ یہ کانفرنس میونسپل باغ ایبٹ آباد میں منعقد ہوئی اور اس میں نو ہزار سے زائد افراد شریک ہوئے۔[۲۳]

یہ کانفرنس تین دن تک جاری رہی اور اس میں چھ نشستیں منعقد ہوئیں۔ اس کانفرنس نے عوام میں یہ شعور اجاگر کیا کہ وہ ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں اپنے مستقبل اور فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔ اس کانفرنس میں ہندوستان کے ہندو اکثریتی صوبوں میں کانگرسی وزارتوں کی جانب سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو بھی موثر انداز میں اجاگر کیا گیا۔

اس کانفرنس کا انعقاد ایک بڑی سیاسی کامیابی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی بدولت مسلم لیگ ہزارہ کے طول و عرض میں مقبول ہوگئی اور اس کا پیغام ہزارہ کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔ اس کانفرنس کی کامیابی کااندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد آل انڈیا نیشنل کانگرس اور احرار نے بھی ایبٹ آباد میں اسی طرز کی علیحدہ علیحدہ کانفرنسیں منعقد کیں جن کا مقصد مسلم لیگ کی مقبولیت اور اس کی کانفرنس کے اثرات کو زائل کرنا تھا مگر یہ دونوں جماعتیں مسلم لیگ کی مقبولیت کو کم کرنے میں ناکام رہیں۔[۲۴]

دریں اثنا مسلم لیگ سرحد اسمبلی میں بھی اپنی سیاسی طاقت میں اضافے کے لیے کوشاں رہی۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی وفات کے بعد سر اورنگزیب خان اسمبلی میں قائد حزب اختلاف مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۹ء تک اسمبلی میں لیگ کے چودہ اراکین تھے۔ یوں مسلم لیگ کی پارلیمانی جماعت سرحد اسمبلی میں اس پوزیشن میں تھی کہ حزب اختلاف کے دیگر گروپوں کو ساتھ ملا کر اسمبلی میں اپنی عددی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ ان میں ۳ آزاد اراکین، ۴ ہندو سکھ قوم پرست اور سات دیگر اراکین شامل تھے۔[۲۵]

جب ۱۹۳۹ء میں کانگرسی وزارتیں احتجاجاً مستعفی ہو گئیں اور لیگ نے ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو ''یومِ نجات'' منانے کا فیصلہ کیا تو ہزارہ مسلم لیگ نے بھی یہ دن ضلع بھر میں بھرپور انداز میں منایا۔ اس موقع پر ہری پور، ایبٹ آباد اور مانسہرہ میں جمعہ کی نماز کے بعد بڑے بڑے جلوس نکالے گئے[۲۶] اور مسلم لیگ کے کارکنوں نے ضلع ہزارہ میں مسلم لیگ کی حمایت اور طاقت کا مظاہرہ کیا۔

۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی ہندوستان کی سیاست اور تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا۔ اس تاریخی اجلاس میں سارے ہندوستان سے مسلمانوں کے نمائندہ وفود نے شرکت کی۔ سرحد مسلم لیگ نے بھی اس اجلاس میں نہایت جوش و جذبے سے شرکت کی۔ ہزارہ سے اس اجلاس میں تقریباً ۲۰ مندوبین نے شرکت کی اور ضلع ہزارہ سے ۱۰ رضا کاروں نے کانفرنس میں سکیورٹی اور انتظامی خدمات انجام دیں۔[۲۷]

اس مرحلے کے بعد مسلم لیگ کا پیغام واضح اور دو ٹوک تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کوئی آئینی انتظام قبول نہیں ہو گا ماسوائے اس کے کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی حصوں کے مسلم اکثریتی علاقوں کو ہندوستان سے علیحدہ کر کے ایک علیحدہ اور خود مختار ریاست کا درجہ دیا جائے۔ یوں ہندوستان کی تقسیم اور حق خود ارادیت کا حصول لیگ کی پالیسی کا سنگ میل قرار پایا۔

قراردادِ لاہور کی منظوری کے بعد پاکستان کی اسکیم، اس کی ترویج اشاعت اور اس کے لیے حمایت کا حصول ہی مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد کا اصل الاصول قرار پایا۔ اس مقصد کے لیے ہندوستان بھر میں یوم پاکستان کی تقریبات مسلم لیگ کی سرگرمیوں کا باقاعدہ حصہ بن گئیں۔ اس طرح کی تقریبات اور اجلاس میں پاکستان مخالف، لیگ مخالف اور مسلم قومیت کے نظریے کی مخالف قوتوں کے معاندانہ پروپیگنڈے کا بھرپور جواب دیا گیا۔ کانگرس، خدائی خدمتگاروں اور ان کے حامیوں اور اتحادیوں نے ضلع ہزارہ میں مسلم لیگ کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو کم کرنے کی بہت کوشش کی مگر مسلم لیگ کی مقبولیت اور عوامی

حمایت کے سامنے ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

وزارتوں سے استعفیٰ کے بعد کانگرس کی احتجاجی تحریک پر ہزارہ کے عوام نے کوئی توجہ نہ دی۔ ۱۹۴۰ء کی سول نافرمانی اور ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک میں بھی ہزارے کے عوام خاموش اور لاتعلق رہے۔ جس وقت جاپان کی فتوحات کی وجہ سے ہندوستان پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے، مرکزی مسلم لیگ کے وفود بار بار ہزارہ کے دورے پر آتے رہے۔ ان وفود میں ایک لیگ کی ڈیفنس کمیٹی کا وفد تھا۔ کمیٹی کے اس وفد نے ۱۹۴۲ء میں ضلع ہزارہ کا دورہ کیا۔ یہ وفد نواب محمد اسماعیل خان، خواجہ ناظم الدین، چوہدری خلیق الزمان، قاضی عیسیٰ، عبدالستار نیازی اور چند دیگر زعماء پر مشتمل تھا۔[۲۸] ان دوروں کا مقصد لوگوں کا حوصلہ بلند کر کے انہیں جدوجہد آزادی کے آخری مرحلے کے لیے تیار کرنا تھا۔

جب کانگرس نے وزارتوں سے استعفیٰ دیا تو مسلم لیگ کانگرس امور انگریزوں کے باہمی کشیدہ تعلقات اور تحریک عدم تعاون کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھ، بنگال، آسام اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں حکومتیں قائم کیں اس مرحلے میں تو لیگ کی تنظیم میں داخلی مسائل پیدا ہو گئے۔ صوبہ سرحد کے سربراہ حکومت اورنگزیب خان اور مسلم لیگ کے صوبائی صدر سعداللہ خان کے درمیان سنگین اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان اختلافات نے جماعت کو بہت سے مسائل سے دوچار کیا۔

۲۲ ماہ کے دوران [۲۹] لیگ کی وزارت کی کارکردگی کسی لحاظ سے بھی اطمینان بخش نہیں تھی۔ سربراہ حکومت اورنگزیب خان ایک کمزور اور نا اہل منتظم ثابت ہوئے۔ ان کے وزراء پر بدعنوانی کے الزامات بھی لگائے گئے۔ مہنگائی، غذائی قلت، وزراء کی سُستی و کاہلی اور بے ضمیری، مخالفین کی پکڑ دھکڑ اور گورنر کی ضرورت سے زیادہ اطاعت و وفاداری جیسے امور وزارت اور مسلم لیگ کے لیے بدنامی کا باعث تھے۔

مسلم لیگ کی تنظیم میں اندرونِ خانہ اختلافات اور لیگ کی وزارت کے اندرونی مسائل لیگ کی اعلیٰ قیادت کے لیے پریشانی اور تشویش کا باعث تھے چنانچہ اصلاحِ احوال کے لیے متعدد کوششیں کی گئیں۔ مرکزی مسلم لیگ نے صورتِ حال کا نوٹس لیا اور جماعت

کی سول ڈیفنس کمیٹی کے چیئر مین نواب اسماعیل خان نے کمیٹی کے جنرل سیکرٹری ذاکر خان کے ہمراہ ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ انہوں نے جماعت کی تنظیم میں بہت سی خرابیاں دیکھیں چنانچہ جماعت کی تنظیم کی بری حالت کے پیش نظر انہوں نے سفارش کی کہ حالات درست کرنے کی غرض سے ایک تنظیمی کمیٹی قائم کی جائے جو لیگ کی اعلیٰ قیادت کی نگرانی میں کام کرے۔ اس سفارش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کمیٹی تو اورنگزیب کی سربراہی میں قائم کر دی گئی مگر اس کا کوئی اجلاس نہ ہو سکا۔[30] ۱۹۴۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کمیٹی آف ایکشن نے صوبے کا دورہ کیا۔ کمیٹی نے صوبے میں لیگ کی تنظیم میں پائی جانے والی خرابیوں اور کمزوریوں کے پیش نظر یہ تجویز پیش کی کہ صوبے میں لیگ کی تنظیم کے تمام تر ڈھانچے کا جائزہ لے کر اُسے از سرِنو مرتب کیا جائے۔ یہ کام قاضی عیسیٰ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ عہدیداروں کے از سرِنو انتخابات کی غرض سے اپریل ۱۹۴۵ء میں لیگ کی تمام شاخوں کو تحلیل کر دیا گیا۔ انتخابات کے انتظامات کے بجائے قاضی عیسیٰ نے ہر ضلع اور پشاور شہر کے لیے ایک ایک عارضی کمیٹی تشکیل دے دی[31] لیکن توقعات کے عین مطابق اس عارضی انتظام سے حالات میں کوئی بہتری نہ آئی۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں چوہدری خلیق الزمان اور نواب ممدوٹ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلے میں صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ انہوں نے حالات کی بہتری کے لیے ایک نیا طریقہ کار پیش کیا۔ چونکہ اس وقت لیگ کی کوئی باقاعدہ تنظیم وجود نہیں رکھتی تھی اس لیے انہوں نے تین مختلف بورڈ تشکیل دیے۔ ان میں سے ایک انتخابی بورڈ، دوسرا مالیاتی بورڈ اور تیسرا بورڈ نامزدگیوں کی غرض سے قائم کیا گیا تھا تا کہ آنے والے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے انتظامات کیے جا سکیں۔ جماعت کی اندرونی کشیدگی، گروہ بندی اور باہمی اختلافات کی وجہ سے انتخابی اور مالیاتی بورڈ کوئی کارکردگی نہ دکھا سکے۔

جب انتخابی بورڈ کے چیئر مین سردارعبدالرب نشتر نے اپنے بورڈ کے ارکان کو اپنے اپنے اضلاع کے لیے بجٹ تیار کرنے کی ہدایت کی تو صرف ہزارہ سے تعلق رکھنے والے اراکین ہی اس ہدایت پر عمل کر سکے۔[32]

لیگ کی تنظیم اور لیگی وزارت کی اس کارکردگی سے یہ حقیقت مترشح ہوئی ہے کہ جماعت آنے والے انتخابات کے لیے یکسر تیار نہ تھی۔ انہی کمزوریوں اور مسائل کی وجہ سے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں لیگ کی کارکردگی ناقص رہی۔

مسلم لیگ کے ان تنظیمی مسائل کا ہزارہ کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑا اور مسلم لیگ کے ساتھ ان وابستگی اور حمایت برقرار رہی کیونکہ ان کے سامنے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کا عظیم مقصد تھا جسے وہ اپنے تمام مسائل کا حل اور تمام مصائب کا علاج سمجھتے تھے۔ پاکستان کے تصور سے ہزارہ مسلم لیگ کی وابستگی اور شدید جذباتیت کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے لیٹر پیڈ پر لفظ ''پاکستان'' چھپوا لیا تھا اور اسے پلے کارڈوں، لفافوں، خطوط اور ٹیلیگرام میں لکھے جانے والے پتے کا جزو بنا لیا گیا تھا۔ ہزارہ مسلم لیگ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی قیادت سے بھی درخواست کی کہ وہ مرکزی سطح پر بھی یہ سارے اقدامات اٹھائے۔ عوامی جلسوں کا باقاعدگی سے انعقاد، چھپے ہوئے مواد کی تقسیم، اہم رہنماؤں کے دوروں کا انتظام کرنا اور پروپیگنڈا میں ہزارہ مسلم لیگ کی باقاعدہ سرگرمیوں کی نمایاں خصوصیات رہیں۔[۳۳]

ہزارہ لیگ کی جانب سے لیگ کے امیدواروں کے لیے عوامی حمایت کے حصول کی غرض سے بڑے بڑے عوامی اجتماعات کے انعقاد کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۵ء میں ۲۱ سے ۲۴ اکتوبر تک مانسہرہ ہزارہ میں پاکستان کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ لیگ کے کارکنوں اور رہنماؤں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے متحرک کردار ادا کیا۔ یہ کانفرنس ہزارہ میں لیگ کو مزید مقبول بنانے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ ہزارہ لیگ کارکنوں کے حوصلے بلند ہیں۔ ان میں سے خان محمد عباس خان، مفتی محمد ادریس، علی گوہر خان اور ان کے فرزند انور خان، فخرالزمان آف اگرور، راجا حیدر خان، خان فقیرا، سجاد احمد خان اور ہزارہ لیگ کے صدر جلال الدین کے نام نمایاں ہیں۔[۳۴]

ہزارہ اور صوبے کے دیگر علاقوں کا سیاسی ماحول ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ بحیثیت مجموعی سرحد میں لیگ نے ۱۹۴۶ء کے اہم اور فیصلہ کن انتخابات میں ایک کمزور تنظیم کے

ساتھ حصہ لیا۔ دوسری طرف انتخابات کی تیاریوں، داؤ پیچ اور انتخابی معاملات سے نمٹنے کے حوالے سے کانگرس کی حالت ہزارہ کے سوا دیگر اضلاع میں مسلم لیگ سے کہیں بہتر تھی۔ انتخابات کا عمل ۲۶ جنوری سے ۱۶ فروری تک جاری رہا۔ کانگرس نے ان انتخابات میں ۵۰ سے ۳۰ نشستیں جیت کر قطعی اکثریت حاصل کر لی جبکہ لیگ کے حصے میں صرف ۱۷ نشستیں آئیں۔ لیکن ہزارہ میں ۹ نشستوں میں سے ۸ نشستوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہو گئے اور لوئر پکھلی کی صرف ایک نشست کانگرس نے جیتی۔۳۵ صوبے میں اس انتخابی فتح کے نتیجے میں تیسری کانگرسی وزارت کا قیام عمل میں آیا۔

لیگ کی اس ناکامی نے آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت کو صورت حال کا سنجیدگی سے جائزہ لینے اور صوبے میں جماعت کی سرگرمیوں کو تیز اور منظّم کرنے پر مجبور کیا۔ انتخابات میں ناکامی کے بعد مرکزی لیگ کی جانب سے ایک ۴۰ رکنی انتظامی کمیٹی قائم کی گئی اور اسے مقامی سطح پر لیگ کے بنیادی ارکان کی نامزدگی، پرائمری لیگوں کے قیام اور سٹی، ضلع، صوبائی مسلم لیگ اور مسلم لیگ کونسل کے ارکان کے انتخابات کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس نے عوام کے تمام طبقات کو مسلم لیگ کی تنظیم میں نمائندگی دینے اور مسلم لیگ کا پیغام عوام تک پہنچانے کا کام جاری رکھا۔ پیر مانکی شریف اور زکوڑی شریف اور ان کے بندوبستی اور قبائلی علاقوں کے رہنے والے مریدوں نے پاکستان کے مطالبے کو مقبول عام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ کو بھی تحریک میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو جس کی بنیاد ۱۹۴۲ء میں ہزارہ ہی سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم ملک طہماسپ نے رکھی تھی،۳۶ از سر نو فعال کیا گیا۔ خیبر ایجنسی، وزیرستان اور دیگر قبائلی علاقوں میں قبائلی افسران اور ملکان کی حمایت حاصل کی گئی اور انہوں نے مسلم لیگ کی حمایت اور اس کے کام کرنے کا آغاز کیا۔ یہ سب کچھ لیگ کے کارکنوں کی محنت کا نتیجہ تھا اور اس محنت کے نتیجے میں مسلم لیگ نے نہایت عمدہ انداز میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ یومِ راست اقدام، سول نافرمانی اور آخر کار ریفرنڈم...... ہر موقع پر سارے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے کارکنوں نے فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے ایک

سال کے مختصر عرصے میں صوبے میں حالات کا نقشہ بدل دیا۔

۱۹۴۶ء۔۴۷ لیگ کی قیادت کے لیے بڑے چیلنجوں کا سال تھا ہی لیکن سرحد مسلم لیگ کے لیے یہ سال اس سے بھی زیادہ کٹھن تھا۔ اس فیصلہ کن سال میں صوبے کے عوام کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ پاکستان کے حصول کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ اب ایسا کرنا صرف آئینی طریقے سے ممکن نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر غیر آئینی اقدامات پر بھی سوچ بچار شروع کر دی۔ ان تمام اقدامات کا مقصد کانگرسی وزارتوں کو نکال باہر کر کے حاکموں کو پاکستان کا مطالبہ ماننے پر مجبور کرنا تھا۔ ہزارہ کے عوام اس میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

سرحد میں لیگ کے کارکنان اس موقع کی تلاش میں تھے کہ وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں سب سے پہلے انہوں نے یوم راست اقدام پر ہزارہ سمیت سارے صوبے میں جلوس، ریلیاں، مظاہرے اور بڑے اجتماعات منعقد کر کے اپنی طاقت دکھائی۔ ہزارہ میں یہ دن پر امن تھا لیکن جب بہار کے مسلمانوں کے قتل عام کی خبر ہزارہ پہنچی تو یہاں فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہو گیا۔ بہار کے واقعات اور ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے ردعمل کے طور پر شمال مغربی سرحدی صوبے میں اقلیتوں کے خلاف تشدد کے واقعات شروع ہو گئے۔

ہزارہ میں بھی لیگ کارکنوں نے بہار کے واقعات کو بنیاد بنا کر لوگوں کر ترغیب دی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر آ کر اپنے ہم مذہب لوگوں کو ہندو اکثریت کے مظالم سے نجات دلانے کی غرض سے پاکستان کے حصول کے لیے اپنی تمام توانائیاں بروئے کار لائیں۔ یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور لوگوں نے اپنے ہر مسئلے کا ذمہ دار ہندوؤں کو ٹھہرانا شروع کر دیا حتیٰ کہ خوراک اور کپڑوں کی قلت کی ذمہ داری بھی ہندوؤں پر عائد کی جانے لگی۔

بہار کے واقعات کے نتیجے میں ہزارہ میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ ۱۹۴۶ء

میں ۷ اور ۸ دسمبر کی درمیانی رات کو قبائلی لوگوں نے حملہ کر کے ہزارہ میں بٹل کے بازار کو آگ لگا دی اور ہندوؤں کی دکانوں کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔ اس سے اگلی رات اوگی میں بھی ہندوؤں سے ایسا ہی سلوک کیا۔ وہاں اس گاڑی پر بھی حملہ کر دیا گیا جس کے ذریعے ہندوؤں کو علاقے سے نکالا جا رہا تھا۔ اس واقعے میں ۱۴ افراد ہلاک ہو گئے۔۳۷

حکام نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے بہت مشکل سے صورت حال کو کنٹرول کیا۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور کالا ڈھاکہ (تورغر) کے قبائل کو FCR کے تحت سزا دی گئی۔ مقامی لوگوں کے خلاف اس ایکشن نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور صورت حال مزید گھمبیر ہو گئی۔ کانگرس کی صوبائی حکومت پر الزام لگایا گیا کہ وہ ان واقعات کی آڑ میں لیگ کے کارکنوں سے انتقام لے رہی ہے۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں بسنتی نامی سکھ خاتون کے اغوا اور ایک مسلمان شخص سے اس کی شادی کے واقعے کی وجہ سے ہزارہ میں پھر فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑے۔ یہ واقعہ تحصیل ایبٹ آباد کے علاقہ گلیات کے ایک گاؤں ملح میں پیش آیا تھا۔ سکھ خاتون کا مذہب تبدیل کرنے اور اسے زبردستی اپنے پاس رکھنے کے اس واقعے کا پرتشدد ردعمل سکھوں کی جانب سے سرحد اور پنجاب میں بھی سامنے آیا۔ ڈاکٹر خان صاحب متاثرہ خاتون اور اس کے خاندان کو پشاور لائے۔ جب اس نے اپنے شوہر اور وزیراعلیٰ کی موجودگی میں کہا کہ وہ سکھ مذہب کو واپس جانا چاہتی ہے تو اسے واپس بھیج دیا گیا۔

سکھ لڑکی کو واپس بھیجے جانے کا بھی سارے صوبے میں شدید ردعمل سامنے آیا کیونکہ عام تاثر یہ تھا کہ لڑکی نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا تھا مگر کانگرسی وزیراعلیٰ نے غیر مسلموں کے دباؤ میں آ کر ایک مسلمان لڑکی سکھ خاندان کو واپس دے دی۔ ہزارہ کے کشیدہ حالات اور گھمبیر مسائل کو اجاگر کرنے اور ہزارہ کے عوام کی قربانیوں کو خراج تحسین پیش کرنے کی غرض سے سرحد لیگ کی جانب سے ۱۷ جنوری ۱۹۴۷ء کو سارے صوبے میں ''یومِ ہزارہ'' منایا گیا۔۳۸

اس واقعے نے سول نافرمانی کی تحریک کا راستہ بھی ہموار کیا جو صوبے میں لیگ کی

جانب سے شروع کی گئی تھی۔ سارے صوبے میں پر تشدد احتجاج کا آغاز ہو گیا لیکن سب سے سنگین اور پر تشدد واقعہ ہزارہ میں پیش آیا جہاں مشتعل ہجوم نے ملیچ کے سارے کا سارا گاؤں نذر آتش کر ڈالا اور ۱۰۰ سکھ اور دو مسلمان قتل کر دیئے۔[۳۹]

اس واقعے کے بعد کانگرسی وزارت کے خلاف لیگ کی تحریک میں مزید شدت آ گئی۔ اس سے لیگ کی تحریک کو کچھ نئے نعرے بھی مل گئے مثلاً مسلمان عورت کی واپسی...... ہزارہ میں کالے قوانین کا خاتمہ ...... لیگی کارکنوں کی رہائی اور کالا ڈھاکہ (تورغر) سے اچھا سلوک ...... جیسے مطالبات لیگ نے کیے۔ اس احتجاجی تحریک کے دوران راجا غضنفر علی اور سردار عبدالرب نشتر یکے بعد دیگرے ہزارہ کے دورے پر آئے۔[۴۰]

یہ پر تشدد احتجاج ہزارہ تک محدود نہ رہا بلکہ یہ قبائلی علاقوں سمیت سارے صوبے میں پھیل گیا۔ صوبے کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے پشاور ان سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور وہاں احتجاج کرنے والوں نے وزیر اعلیٰ ہاؤس پر ہلّہ بول دیا۔ وہ اسمبلی کے جاری اجلاس میں بھی رخنہ اندازی کرنا چاہتے تھے۔ ان کی فوج سے تصادم کے نتیجے میں دو افراد ہلاک جبکہ بہت سے دیگر زخمی اور گرفتار ہو گئے۔[۴۱] مشتعل ہجوم نے بدلہ لینے کے لیے ہندوؤں اور سکھوں کی بستیوں پر حملے کیے۔

صورت حال کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے صوبے کا دورہ کیا تا کہ خود حالات کا جائزہ لے سکیں۔ وائسرائے نے یہ دورہ ۲۸ اور ۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء کو کیا۔ اس دورے کے بعد وائسرائے کو یہ احساس ہو گیا کہ صوبہ سرحد میں حالات مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں۔[۴۲] چنانچہ انہوں نے وزیراعظم برطانیہ کو یہ سفارش کی کہ صوبہ سرحد کے مسئلے کا حل یہی ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ریفرنڈم کے ذریعے دے دیا جائے کہ وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان (بھارت) کے ساتھ۔ حکومت برطانیہ نے یہ سفارش منظور کر لی اور مسلم لیگ، سکھوں اور کانگرس کے رہنماؤں نے بھی اسے قبول کر لیا۔[۴۳] ریفرنڈم کے اعلان کے بعد صورتِ حال پرسکون ہونا شروع ہو گئی اور اس سے مسلم لیگ کے کارکن بھی احتجاج سے توجہ ہٹا کر

ریفرنڈم کی تیاریوں اور اس کے لیے عوامی حمایت کے حصول میں مصروف ہو گئے۔

ہزارہ لیگ جلال الدین خان کی قیادت میں سرگرمِ عمل تھی۔ ریفرنڈم میں طلبہ، علماء، خواتین، تاجروں حتیٰ کہ کم عمر لڑکوں نے بھی نہایت جوش و خروش سے کام کیا۔ لیگ کی مرکزی قیادت، مقامی قیادت اور مقامی کارکنوں کے شانہ بشانہ ریفرنڈم میں کام کرتی رہی اور اس عمل کی نگرانی میں مصروف رہی۔ راجا غضنفر علی خان، جو ریفرنڈم مہم کے چیف آرگنائزر تھے اور دیگر لیگی زعماء مولانا شبیر احمد عثمانی، سردار شوکت حیات، پیر مانکی شریف، پیر تونسہ شریف، خان عبدالقیوم خان اور دیگر بہت سے رہنما ریفرنڈم مہم کے دوران مقامی کارکنوں کی مدد کے لیے ہزارہ آئے۔

ریفرنڈم میں پولنگ ۱۶ جون کو شروع ہوئی اور تقریباً دس روز بعد اختتام پذیر ہوئی۔ رائے دہندگان کی کل تعداد ۵۷۲۷۹۸ تھی جن میں سے ۸۰۰۰۰ غیر مسلم تھے۔ مجموعی طور پر ۲۹۲۱۱۸ ووٹ ڈالے گئے جن میں سے پاکستان کے حق میں ۲۸۹۲۴۴ جبکہ بھارت کے حق میں صرف ۲۸۷۴ ووٹ تھے۔ رائے دہی کی مجموعی شرح ۵۱ فیصد رہی۔ ہزارہ میں تناسب حیرت انگیز رہا۔ سارے صوبے سے پاکستان کے حق میں ڈالے گئے۔ ۲۸۹۲۴۴ ووٹوں میں سے ۸۶۷۷۳ ووٹ ہزارہ کے ہیں۔ اس طرح ہزارہ سے کل ووٹوں کے ۹۹ فیصد ووٹ پاکستان کے حق میں ڈالے گئے۔[۴۴]

اس طرح تاریخ کے ایک نازک اور آزمائشوں سے بھرے دور میں ہزارہ نے پاکستان کے حصول میں اہم، متحرک اور فعال کردار ادا کیا اور ریفرنڈم میں ہزارہ نے شمال مغربی سرحدی صوبے (خیبر پختونخوا) کی وفاقِ پاکستان میں شمولیت کا راستہ ہموار کر کے اسے ممکن بنایا۔

حوالہ جات

1. Arnold Toynbee, *A Study of History* (London: Thames and Hudson, 1972), p. 127.
2. Syed Waqar Ali Shah, *Ethnicity, Islam, and Nationalism: Muslim Politics in NWFP 1937-47* (Karachi: Oxford University Press, 2000),

pp. 39, 40.

3. H.D. Watson, *Gazetteer of the Hazara District* (London: Chatto and Windus Macum VIII,1907), pp. 1-8.
4. *Census Report of Hazara Division 1998,* census organization division Islamabad. The estimates are based on the growth rate.
5. *The New Encyclopedia Britannica,* Vol. 5, p. 775.

۶۔ محمد اعظم بیگ، *تاریخ ہزارہ*، لاہور، وکٹوریہ پریس، ۱۸۷۸ء،ص۳۱۸۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ بشیر محمود اختر (مترجم)، ”*مانسہرہ*“ از ڈاکٹر اکبر ایس احمد، راولپنڈی، مجلس علم و ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۷۔

۹۔ شیر بہادر پنی، ڈاکٹر، ”*تاریخ ہزارہ*“، لاہور، صناعی برقی پریس، ۱۹۶۹ء،ص ۲۸۷۔

10. James W. Spain, *The Pathans Borderland* (Hague: Mouton and Company, 1963), p. 113.
11. Erland Jansson, *India, Pakistan or Pakhtunistan* (Stockholm: Almqvist & Wiksell international, 1981), p. 245.

۱۲۔ شاہ نذر خان، ”*زیرِ خاک آثار ہزارہ*“، لاہور، ملت ایجوکیشنل پرنٹرز، ۲۰۰۰ء، ص ص ۱۳-۱۸

۱۳۔ داؤد کوثر، *سوانحِ عرفان*، مانسہرہ، ادارہ فروغ ادب، س ن، ص ص ۹۴-۹۷۔

۱۴۔ محمد خواص خان، *گوہر نایاب*، راولپنڈی، مجلس علم و ادب، ۱۹۸۵ء، ص ۲۶۔

15. Muhammad Abid Hussain Shah, "*Role of Hazara in Pakistan Movement*" (Peshawar: M.Sc Thesis submitted to Peshawar University, 1991), pp. 67-73.
16. Himayatullah, "Muslim League and Introduction of the Reform in NWFP", in Dr. Riaz Ahmed (edit), *Papers Presented at the three days International Conference on AIML (1906-1947)* Islamabad, vol,I (Islamabad: NIHCR, 2006), p. 272.
17. Erland Jansson, p. 95.
18. Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Struggle for Pakistan* (Karachi: University of Karachi, 1982), p. 115.
19. Syed Waqar Ali Shah, *Muslim League in NWFP* (Karachi: Royal Book Company, 1992), p. 34.
20. Daily *Zamindar*, 1st September, 1937, Quoted in Muhammad Abid Hussain Shah, p. 80.
21. Dr.Riaz Ahmed, (edit) *The Frontier Muslim League 1913-1947 Secret Police Abstracts* (Islamabad: NIHCR, 2008), p. 117.

22. Erland Jansson, p. 110.
23. Syed Waqar Ali Shah, *Muslim League in NWFP,* p. 39.
24. *The Frontier Muslim League 1913-1947 Secret Police Abstracts.* pp. 128-134.
25. Muhammad Abid Hussain Shah, p. 90.
26. Telegram Aurangzeb to Jinnah, 11/39 *QAP File 329*, quoted in Erland Jansson, p. 115.
27. *The Frontier Muslim League 1913-1947 Secret Police Abstracts.* p. 179.
28. Muhammad Abid Hussain Shah, p. 97.
29. *The Frontier Muslim League 1913-1947 Secret Police Abstracts.* p. 198.
30. Ian Talbot, *Provincial Politics and the Pakistan Movement* (Karachi: Oxford University Press, 1988), p. 13-16.
31. Altafullah, "Sardar Muhammad Aurangzeb Khan: Performance of 1st Muslim League's Ministry in NWFP (1943-1945)" in Dr. Riaz Ahmed (edit), *Papers Presented at the three days International Conference on AIML (1906-1947) Islamabad*, vol. I (Islamabad: NIHCR, 2006), p. 181.
32. Ibid., p. 182.
33. *The Frontier Muslim League 1913-1947, Secret Police Abstracts*, p. 229.
34. Muslim League Hazara, File No. 12/4/6 (I): II, B.No.49, quoted in, Muhammad Abid Hussain.
35. *The Frontier Muslim League 1913-1947 Secret Police Abstracts*, p. 244.
36. Erland Jansson, p. 152.
37. Ibid., p. 166.
38. Ibid., p. 190.
39. *The Frontier Muslim League 1913-1947, Secret Police Abstracts*, p. 306.
40. Erland Jansson, p. 192.
41. *The Frontier Muslim League 1913-1947, Secret Police Abstracts*, p. 321.
42. Syed Waqar Ali Shah, *Muslim League in NWFP*, p. 132.
43. *The Frontier Muslim League 1913-1947, Secret Police Abstracts*, p. 340.
44. Directorate General of Films and Publications, Ministry of Information and Media Development, *Pakistan Chronology 1947-1997*, (Islamabad: Printing Press of Pakistan, 1998), p. 12.

☆☆☆